

ایک درس

حج کا مقصد

دیپد ویز

آپ نے یہ الفاظ ہر محراب و منبر اور ہر سطح اور پلیٹ فارم سے سننے ہوں گے، اور بار بار سننے ہوں گے کہ اسلام تو بیع انسان کی تمام مشکلات کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ الفاظ تو آپ نے بار بار سننے ہوں گے، لیکن یہ کسی کی زبان سے نہیں سنا ہوگا کہ تو بیع انسان کی مشکلات کیا ہیں اور اسلام ان کا حل کیا پیش کرتا ہے؟ اصل یہ ہے کہ جو قوم خود اپنی مشکلات کا حل دریافت نہ کر سکتی ہو۔۔۔ اس کے لئے اسے غیروں کے دروازے پر دست تک دینی پڑتی ہو۔۔۔ وہ تو بیع انسان کی مشکلات کا حل کیا پیش کر سکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جب غیر اقوام ہمارا یہ دعویٰ سننتی ہیں تو استہزاء کی منہسی منہسی کر کہتی ہیں کہ پہلے اپنی مشکلات کو حل کرو، اس کے بعد تو بیع انسان کی مشکلات کے حل کا دعویٰ کرنا!

یہ درحقیقت مذہب کی ٹیکنیک ہے کہ وہ نہایت مقدس اور خوش آئند الفاظ کے ذریعے اپنے معتقدین کو خوش فہمی میں مبتلا رکھتا ہے اور ان کے ذہن کو کبھی اس طرف نہیں آنے دیتا کہ وہ ان الفاظ کا مفہوم معلوم کریں یا سوچیں کہ ہم جو دعویٰ کرتے ہیں اس کا عمل ثبوت کیا ہے۔ مذہب کا سارا دار و مدار بلا مفہوم الفاظ کے دہرائے چلے جانے اور بلا نتیجہ رسومات ادا کئے جانے پر ہوتا ہے۔ چونکہ اسلام بھی الدین نہیں رہا، مذہب بن چکا ہے، اس لئے ہم بھی نہ الفاظ کے مفہوم کی طرف آتے ہیں اور نہ ہی اپنے دعاوی کے عمل ثبوت کی طرف۔

اس وقت تمام اقوام عالم گونا گوں مشکلات کا شکار ہیں۔ میں ان میں سے ایک ایک پر اہم کا حل قرآن مجید کی روشنی میں پیش کئے چلا آ رہا ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ میری یہ کوشش قرآنی الفاظ، اصطلاحات، اور تصورات و نظریات کا متعین مفہوم پیش کرنے تک محدود ہے۔ عملی نتائج سے اس کے دعاوی کا ثبوت ہم پہنچانا میرے بس کی بات نہیں کیونکہ وہ ثبوت تو قرآنی نظام کے قیام ہی سے ہم پہنچ سکتا ہے، اور نظام کا قیام کسی فرد کے بس کی بات نہیں ہوتی، یہ اُمت کی اجتماعی کوششوں ہی سے ممکن ہوتا ہے۔ بائیں میں گذشتہ قریب تین سال سے اپنی ان کوششوں کو جاری رکھے ہوئے ہوں۔ ایک تو اس لئے کہ قوم کے ارباب بصیرت اس حقیقت کو سمجھ سکیں کہ اس وقت ہم میں جو کچھ اسلام کے نام سے ہو رہا ہے وہ مذہب ہے، دین نہیں۔ اور دوسرے اس لئے کہ اس سے شاید آنے والی نسلیں استفادہ کر کے دین کا نظام قائم

کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

جیسا کہ میں نے ابھی ابھی کہا ہے اقوام عالم متعدد گونا گوں مشکلات اور پریشانیوں کا شکار ہیں..... میں اس وقت ان میں سے صرف ایک مسئلہ کو لوں گا جو درحقیقت مشکل ترین مسئلہ ہے اور قریح انسان کے موجودہ مصائب اور ممکنہ تباہی کا موجب ہے۔ اور وہ ہے نیشنلزم۔ میں اس موضوع پر اس سے پہلے بھی بہت کچھ لکھ چکا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ خود اقوام مغرب اس کے ہاتھوں کس قدر نالاں ہیں اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کس قدر مضطرب و بے قرار۔ لیکن انہیں کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میں اس قسمت میں یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ قرآن کریم نے اس کا فطری حل کیا بتایا اور عمل پر وگرام کیا تجویز کیا۔

(۱)

نوع انسان کی تمدنی یا معاشرتی زندگی کی ابتداء کب اور کہاں سے ہوئی، مغرب کے علماء علم الانسان نے اس باب میں خاصی تحقیق کی ہے لیکن وہ اس باب میں ابھی تک کسی متعین نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ قرآن کریم اس قسم کی تحقیقات کے متعلق بحث نہیں کرتا۔ وہ بات اس مقام سے شروع کرتا ہے جو اس کے پیش نظر منزل تک پہنچنے کا آغاز سفر ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وَمَا كَانَتِ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَأَخْتَلَفُوا..... (سہلہ)۔ نوع انسان شروع میں ایک اُمت، ایک جماعت، ایک گروہ تھی۔ اس کے بعد انہوں نے آپس میں اختلاف پیدا کر لئے۔ ان اختلافات کا نتیجہ تھا کہ وہ بڑے مختلف خاندانوں میں اور اس کے بعد قبیلوں میں بٹ گئے اور اس قفری کو نسلوں تک پھیلا دیا۔ باہمی تقسیم اور تفریق کی یہ غلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ تاآنکہ اس نے مختلف قوموں کی شکل اختیار کر لی۔ رفتہ رفتہ اس نے ایک سیاسی تصور حیات یا سسٹم زندگی کا پرہیز اور ٹھکرایا۔ اس کا نام نیشنلزم ہے جو اس وقت پوری کی پوری نوع انسان کو محیط ہے۔ اس سے نہ کرۂ ارض، نہ کرۂ ارض رہا ہے اور نہ ہی انسان۔

نیشنلزم | نوع انسانی کا فرد کرۂ ارض کو فرضی یکپارہ کھینچ کر مختلف ممالک میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ان ممالک میں بسنے والے انسانوں کو مختلف قوموں کا نام دے دیا گیا۔ یہ قومیں بھیڑیوں کی طرح تاک میں بیٹھی رہتی ہیں کہ ان میں سے کسی کو کب اور کچھ آئے اور یہ اس پر جھپٹ پڑیں۔ اس وقت پوری نوع انسان کی یہی کیفیت ہے، اس میں نہ اقوام مغرب کی تخصیص ہے اور نہ اقوام مشرق کی تمیز۔ اقبالؔ کے الفاظ میں:۔

سب اپنے بنائے ہوئے زمانوں میں ہیں محبوس مشرق کے نوابت ہوں کہ مغرب کے ہوں سہار
قرآن کریم نے بتایا کہ نوع انسان اپنے ہاتھوں کی لالہ ہوں جس مصیبت کا شکار ہو گئی تھی اس سے نجات دہانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کی راہنمائی کا آغاز کیا۔ سورہ بقرہ میں ہے:-

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً قَفَّ حَقِيقَةُ اللَّهِ السَّيِّئِينَ مَبْشِرِينَ
قَوْمٌ رِبُّنَ مَا نَزَّلَ مَعَهُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَتَّخِذَ سَبِيلَ النَّاسِ فِيهِمَا

اِخْتَلَفُوا فِيهِ ط..... ۵۰ (۲۱۳)

چونکہ نوع انسان کو پھر سے ایک وحدت میں تبدیل کرنا مقصود تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بعثت انبیاء کا سلسلہ شروع کیا جو انہیں اختلافی زندگی کے تباہ کن عواقب سے آگاہ کرتے اور ایک برادری بن کر رہنے کی زندگی کے خوشگوار ثمرات کی خوشخبری سناتے۔ وہ اپنے ساتھ قوانین خداوندی کا ضابطہ لاتے تاکہ وہ اُس کی رو سے ان کے اختلافی امور کا فیصلہ کریں۔

یہ تھا وحی کا مقصد اور وہ منزل جس تک کاروان انسانیت کو پہنچانا مقصود تھا۔ یعنی انہیں ایک عالم گیر برادری کے قالب میں ڈھالنا۔ اس کے لئے وحی نے کہا کہ جو لوگ اس مقصد سے متفق ہیں وہ، رنگ، نسل، زبان، وطن اور قومیت کے اختلاف کے باوجود ایک امت کے افراد ہیں۔ جو اس سے انکار کرتے ہیں وہ ان کے بالمقابل دوسری امت کے افراد۔ اسی کو ایمان اور کفر کے امتیاز سے تعبیر کیا گیا ہے، اور سیاسی اصطلاح میں اسے ”دوقومی نظریہ“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگرچہ ہر نبی کا یہی پیغام تھا، لیکن اس کی عملی تشکیل حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں وجود پذیر ہوئی۔ انہوں نے ماں باپ، برادری، قوم، اور وطن تک کو چھوڑ کر ایمان کی بنیادوں پر ایک نئی امت کی تشکیل کی اور اُس کا ایک اجتماعی نظام قائم کیا۔ نظام یا اجتماعیت کے لئے ایک محسوس مرکز کا وجود لا بیفک ہوتا ہے۔ انہوں نے وحی خداوندی کی راہنمائی میں مکہ کے مقام پر ایک علامتی مرکز تعمیر کیا، جسے کعبہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ۝ (۲۶)

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا گھر جو قوم، وطن، رنگ، نسل کے امتیازات سے

بند ہو کر خالص انسانیت کے لئے وجود میں لایا گیا تھا، مکہ کی مبارک وادی میں (خانہ کعبہ)

تھا۔ یہ کاروان انسانیت کی منزل مقصود کے لئے نشان راہ تھا۔

اسے تمام انسانی نسبتوں سے بلند بالا قرار دینے کے لئے، اللہ تعالیٰ نے ”اپنا گھر“ (بیتہ) (۲۷) کہہ کر بکار دیا۔ ایک اہم نکتہ کا مجھ لینا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ ویسے تو کائنات کی ہر شے خدا ہی کی ہے۔ لیکن اس نے جس چیز کو خاص طور پر ”اپنی“ کہہ کر بکارا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی، نہ اس پر کسی کا قبضہ ہو سکتا ہے۔ (مثلاً) بیت اللہ (اللہ کا گھر) یا ارض اللہ (اللہ کی زمین)۔

مندرجہ بالا آیت میں کہا گیا ہے کہ کعبہ کو الناس (نوع انسان) کی اجتماعیت کا مرکز بنایا گیا۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ کعبہ اور حج کے سلسلے میں جس قدر آیات قرآن کریم میں آئی ہیں ان میں ہر جگہ ”الناس“ ہی کہا گیا ہے۔ یہ سلسلے کہ، جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، وحی خداوندی کا مقصود و مطلوب

الناس کا مقصد

نوع انسان کی عالمگیر برادری کی تشکیل تھا۔ اس لئے جس مقام کو اس برادری کا مرکز قرار دیا گیا اسے "الناس" ہی کہا جانا چاہیے تھا۔

اور یہی قرآن نے کیا۔

اب یہ دیکھئے کہ نوع انسان کی اس مرکزیت سے مقصود کیا تھا۔ فرمایا:-

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْغُبَّتِ الْحَوَامِ قِيَامًا لِلنَّاسِ (۵۰) (۵۱)

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو واجب الاحترام مقام قرار دیا تاکہ اس مرکزیت سے نوع انسان اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل ہو سکے۔

یہ ایک عظیم حقیقت ہے جسے دو لفظوں میں سمجھا کر رکھ دیا گیا ہے۔ انسانیت، قوموں میں تقسیم ہو تو وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہو سکتی۔ مثال کے طور پر آج دنیا کی توہین دو حصوں میں بٹی ہوئی ہیں۔ ایک سپر پائیزز ————— یعنی بڑی مہیب قوتوں کی مالک قومیں۔ اور دوسری، کمزور اور غیر نشوونما یافتہ (UNDEVELOPED) قومیں۔ کمزور قوموں کا طاقتور قوموں کے ساتھ کامیابی کا محتاج ہونا تو ظاہر ہے۔ یہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو ہی نہیں سکتیں۔ لیکن طرہ تماشا یہ ہے کہ خود سپر پاورز اپنی قوت کے لئے ان کمزور قوموں کی محتاج ہوتی ہیں۔ جس قوم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ کمزور قومیں ہوں، وہ اتنی ہی زیادہ طاقتور سمجھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بڑی قوم کی یہ انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ان کمزور قوموں کو زیادہ سے زیادہ امداد یا امداد کا لالچ دے کر اپنے ساتھ رکھ سکیں، لیکن ایسا کبھی نہ ہونے دین کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکیں۔

لیکن اگر قومینوں کے منہ جانے کے بعد نوع انسان اُمت واحدہ بن جائے تو اسے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لئے کسی خارجی سہارے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ یہ ہے کعبہ کی مرکزیت کا اولین ثمرہ۔ یعنی قیام للناس۔ نوع انسان کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا ذریعہ۔

اب آگے بڑھیے۔ اس وقت دنیا میں کہیں امن نہیں۔ چھوٹی قومیں ہوں یا بڑی، سب ایک دوسرے سے ڈری اور سبھی بھڑکتی ہیں۔ جب قوموں کی یہ حالت ہے تو افراد، خوف دہراؤں کے جس جہنم میں زندگی گزارتے ہیں، اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس وسیع و عریض کرہ ارض پر کوئی چھوٹے سے چھوٹا مامن ایسا نہیں جہاں کوئی فرد یا قوم اپنے آپ کو محفوظ یا مامون سمجھ لے۔ کعبہ کی مرکزیت کی دوسری خصوصیت کے متعلق قرآن نے کیا:-

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا (۵۲) (۵۳)

اور ہم نے کعبہ کو نوع انسان کی اجتماعیت کا مرکز بنایا اور ایسا مقام جہاں کسی کو کسی قسم کا

خوف و خطر نہ ہو۔

دوسری جگہ ہے: وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰) (۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳۳) (۵۳۴) (۵۳۵) (۵۳۶) (۵۳۷) (۵۳۸) (۵۳۹) (۵۴۰) (۵۴۱) (۵۴۲) (۵۴۳) (۵۴۴) (۵۴۵) (۵۴۶) (۵۴۷) (۵۴۸) (۵۴۹) (۵۵۰) (۵۵۱) (۵۵۲) (۵۵۳) (۵۵۴) (۵۵۵) (۵۵۶) (۵۵۷) (۵۵۸) (۵۵۹) (۵۶۰) (۵۶۱) (۵۶۲) (۵۶۳) (۵۶۴) (۵۶۵) (۵۶۶) (۵۶۷) (۵۶۸) (۵۶۹) (۵۷۰) (۵۷۱) (۵۷۲) (۵۷۳) (۵۷۴) (۵۷۵) (۵۷۶) (۵۷۷) (۵۷۸) (۵۷۹) (۵۸۰) (۵۸۱) (۵۸۲) (۵۸۳) (۵۸۴) (۵۸۵) (۵۸۶) (۵۸۷) (۵۸۸) (۵۸۹) (۵۹۰) (۵۹۱) (۵۹۲) (۵۹۳) (۵۹۴) (۵۹۵) (۵۹۶) (۵۹۷) (۵۹۸) (۵۹۹) (۶۰۰) (۶۰۱) (۶۰۲) (۶۰۳) (۶۰۴) (۶۰۵) (۶۰۶) (۶۰۷) (۶۰۸) (۶۰۹) (۶۱۰) (۶۱۱) (۶۱۲) (۶۱۳) (۶۱۴) (۶۱۵) (۶۱۶) (۶۱۷) (۶۱۸) (۶۱۹) (۶۲۰) (۶۲۱) (۶۲۲) (۶۲۳) (۶۲۴) (۶۲۵) (۶۲۶) (۶۲۷) (۶۲۸) (۶۲۹) (۶۳۰) (۶۳۱) (۶۳۲) (۶۳۳) (۶۳۴) (۶۳۵) (۶۳۶) (۶۳۷) (۶۳۸) (۶۳۹) (۶۴۰) (۶۴۱) (۶۴۲) (۶۴۳) (۶۴۴) (۶۴۵) (۶۴۶) (۶۴۷) (۶۴۸) (۶۴۹) (۶۵۰) (۶۵۱) (۶۵۲) (۶۵۳) (۶۵۴) (۶۵۵) (۶۵۶) (۶۵۷) (۶۵۸) (۶۵۹) (۶۶۰) (۶۶۱) (۶۶۲) (۶۶۳) (۶۶۴) (۶۶۵) (۶۶۶) (۶۶۷) (۶۶۸) (۶۶۹) (۶۷۰) (۶۷۱) (۶۷۲) (۶۷۳) (۶۷۴) (۶۷۵) (۶۷۶) (۶۷۷) (۶۷۸) (۶۷۹) (۶۸۰) (۶۸۱) (۶۸۲) (۶۸۳) (۶۸۴) (۶۸۵) (۶۸۶) (۶۸۷) (۶۸۸) (۶۸۹) (۶۹۰) (۶۹۱) (۶۹۲) (۶۹۳) (۶۹۴) (۶۹۵) (۶۹۶) (۶۹۷) (۶۹۸) (۶۹۹) (۷۰۰) (۷۰۱) (۷۰۲) (۷۰۳) (۷۰۴) (۷۰۵) (۷۰۶) (۷۰۷) (۷۰۸) (۷۰۹) (۷۱۰) (۷۱۱) (۷۱۲) (۷۱۳) (۷۱۴) (۷۱۵) (۷۱۶) (۷۱۷) (۷۱۸) (۷۱۹) (۷۲۰) (۷۲۱) (۷۲۲) (۷۲۳) (۷۲۴) (۷۲۵) (۷۲۶) (۷۲۷) (۷۲۸) (۷۲۹) (۷۳۰) (۷۳۱) (۷۳۲) (۷۳۳) (۷۳۴) (۷۳۵) (۷۳۶) (۷۳۷) (۷۳۸) (۷۳۹) (۷۴۰) (۷۴۱) (۷۴۲) (۷۴۳) (۷۴۴) (۷۴۵) (۷۴۶) (۷۴۷) (۷۴۸) (۷۴۹) (۷۵۰) (۷۵۱) (۷۵۲) (۷۵۳) (۷۵۴) (۷۵۵) (۷۵۶) (۷۵۷) (۷۵۸) (۷۵۹) (۷۶۰) (۷۶۱) (۷۶۲) (۷۶۳) (۷۶۴) (۷۶۵) (۷۶۶) (۷۶۷) (۷۶۸) (۷۶۹) (۷۷۰) (۷۷۱) (۷۷۲) (۷۷۳) (۷۷۴) (۷۷۵) (۷۷۶) (۷۷۷) (۷۷۸) (۷۷۹) (۷۸۰) (۷۸۱) (۷۸۲) (۷۸۳) (۷۸۴) (۷۸۵) (۷۸۶) (۷۸۷) (۷۸۸) (۷۸۹) (۷۹۰) (۷۹۱) (۷۹۲) (۷۹۳) (۷۹۴) (۷۹۵) (۷۹۶) (۷۹۷) (۷۹۸) (۷۹۹) (۸۰۰) (۸۰۱) (۸۰۲) (۸۰۳) (۸۰۴) (۸۰۵) (۸۰۶) (۸۰۷) (۸۰۸) (۸۰۹) (۸۱۰) (۸۱۱) (۸۱۲) (۸۱۳) (۸۱۴) (۸۱۵) (۸۱۶) (۸۱۷) (۸۱۸) (۸۱۹) (۸۲۰) (۸۲۱) (۸۲۲) (۸۲۳) (۸۲۴) (۸۲۵) (۸۲۶) (۸۲۷) (۸۲۸) (۸۲۹) (۸۳۰) (۸۳۱) (۸۳۲) (۸۳۳) (۸۳۴) (۸۳۵) (۸۳۶) (۸۳۷) (۸۳۸) (۸۳۹) (۸۴۰) (۸۴۱) (۸۴۲) (۸۴۳) (۸۴۴) (۸۴۵) (۸۴۶) (۸۴۷) (۸۴۸) (۸۴۹) (۸۵۰) (۸۵۱) (۸۵۲) (۸۵۳) (۸۵۴) (۸۵۵) (۸۵۶) (۸۵۷) (۸۵۸) (۸۵۹) (۸۶۰) (۸۶۱) (۸۶۲) (۸۶۳) (۸۶۴) (۸۶۵) (۸۶۶) (۸۶۷) (۸۶۸) (۸۶۹) (۸۷۰) (۸۷۱) (۸۷۲) (۸۷۳) (۸۷۴) (۸۷۵) (۸۷۶) (۸۷۷) (۸۷۸) (۸۷۹) (۸۸۰) (۸۸۱) (۸۸۲) (۸۸۳) (۸۸۴) (۸۸۵) (۸۸۶) (۸۸۷) (۸۸۸) (۸۸۹) (۸۹۰) (۸۹۱) (۸۹۲) (۸۹۳) (۸۹۴) (۸۹۵) (۸۹۶) (۸۹۷) (۸۹۸) (۸۹۹) (۹۰۰) (۹۰۱) (۹۰۲) (۹۰۳) (۹۰۴) (۹۰۵) (۹۰۶) (۹۰۷) (۹۰۸) (۹۰۹) (۹۱۰) (۹۱۱) (۹۱۲) (۹۱۳) (۹۱۴) (۹۱۵) (۹۱۶) (۹۱۷) (۹۱۸) (۹۱۹) (۹۲۰) (۹۲۱) (۹۲۲) (۹۲۳) (۹۲۴) (۹۲۵) (۹۲۶) (۹۲۷) (۹۲۸) (۹۲۹) (۹۳۰) (۹۳۱) (۹۳۲) (۹۳۳) (۹۳۴) (۹۳۵) (۹۳۶) (۹۳۷) (۹۳۸) (۹۳۹) (۹۴۰) (۹۴۱) (۹۴۲) (۹۴۳) (۹۴۴) (۹۴۵) (۹۴۶) (۹۴۷) (۹۴۸) (۹۴۹) (۹۵۰) (۹۵۱) (۹۵۲) (۹۵۳) (۹۵۴) (۹۵۵) (۹۵۶) (۹۵۷) (۹۵۸) (۹۵۹) (۹۶۰) (۹۶۱) (۹۶۲) (۹۶۳) (۹۶۴) (۹۶۵) (۹۶۶) (۹۶۷) (۹۶۸) (۹۶۹) (۹۷۰) (۹۷۱) (۹۷۲) (۹۷۳) (۹۷۴) (۹۷۵) (۹۷۶) (۹۷۷) (۹۷۸) (۹۷۹) (۹۸۰) (۹۸۱) (۹۸۲) (۹۸۳) (۹۸۴) (۹۸۵) (۹۸۶) (۹۸۷) (۹۸۸) (۹۸۹) (۹۹۰) (۹۹۱) (۹۹۲) (۹۹۳) (۹۹۴) (۹۹۵) (۹۹۶) (۹۹۷) (۹۹۸) (۹۹۹) (۱۰۰۰)

بات واضح ہے، دنیا میں خوف و خطر تو مختلف قومیتوں کا پیدا کردہ ہے۔ جب ان کی جگہ ایک ایسی اُمت وجود میں آجائے گی جس میں یہ تفریق نہیں ہوگی تو وہ مجاہدوں کی طرح امن و سلامتی سے رہے گی۔ اسے نہ کسی خارجی خطرہ کا اندیشہ ہوگا، نہ داخلی خلفشار کا ڈر۔ سوچئے کہ اس سے یہ کڑے اثر جو اس وقت جہنم نازین و باطنی ہے، کیسا امن و سلامتی کی جنت بن جائے گا!

موجودہ قومیتوں کی تقسیم کی ایک لعنت یہ بھی ہے کہ کسی ایک ملک کا باشندہ، دوسرے ملک میں قدم تک نہیں رکھ سکتا جب تک وہ اس سے اجازت نامہ (VISA) حاصل نہ کر لے۔ کعبہ کے متعلق کہا۔

جَعَلْنَاهُ مِلَّةً مِّنْ مِّلَاتٍ سَوَاءً بَيْنَ الْعَاكِفِ فِيهِ وَالْبَادِي..... (۲۳/۲۵)

یہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر کے، اس گھر کے دروازے سے سب کے لئے یکساں طور پر کھلے ہیں، کسی کو یہاں آنے کی ممانعت نہیں، کسی سے اجازت نامہ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہ تمام انسانوں کے خدا (رب الناس) کا گھر ہے، اس لئے اس کے دروازے ہر انسان کے لئے کھلے رہیں گے۔

یہی نہیں کہ جس کا جی چاہے یہاں آجائے۔ حضرت ابراہیمؑ نے قبیلہ کعبہ کے بعد دعایہ مانگی تھی کہ اس خطہٴ ارض میں کچھ پیدا نہیں ہوتا جو لوگوں کے لئے وجہ کشمکش بن سکے۔ بارالہا! تو ایسا کر دے کہ لوگوں کے دل اس طرف مائل ہو جائیں اور وہ فوج در فوج ادھر آنے لگ جائیں۔ (پہلا)۔ یہ تھیں اس گھر کی خصوصیات جسے تمام نوری انسان کے لئے مرکز قرار دیا گیا تھا۔ واضح رہے کہ یہ خصوصیات مٹی اور پتھر کے کسی مقام یا گھر کی نہیں۔ یہ خصوصیات اس نظام کی ہیں جس کا مرکز یہ گھر قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح (مثلاً) ہم کہتے ہیں کہ ماسکو کی پالیسی یہ ہے اور واشنگٹن نے یہ طے کیا ہے تو اس سے مراد ماسکو اور واشنگٹن کے شہر نہیں ہوتے۔ اس سے مراد وہ ممکنات ہیں جو ان کے یہ شہر مراکز ہیں۔

اسی طرح کعبہ سے مراد وہ نظام خداوندی وہ قرآنی ممکنات ہیں، جس کا یہ مرکزی مقام ہے۔

(۶)

حضرت ابراہیمؑ کے مقدس عقول اس مرکز کی تعمیر ہوئی۔ اس کے بعد آپ صدیوں پر پھیلے ہوئے نامہٴ پنج کے اوراق کو اکٹھا کر، چھٹی صدی عیسوی میں آجائے جہاں وہ نظام اپنی مکمل شکل میں قائم ہوا جس کا مرکز کعبہ تھا۔ اس نظام کے قیام کے لئے سب سے پہلے ایک اُمت تشکیل کی گئی جو رنگ و نسل، خون، وطن کے امتیازات کو مٹا کر خالص ایمان کی بنیادوں پر وجود میں آئی تھی۔ اس اُمت کے وجود کا مقصد کیا تھا، اسے قرآن نے ان چند الفاظ میں نہایت جامعیت سے بیان کر دیا جب کہا کہ کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُنْشِئَتْ يَلْثَمًا..... (پہلا)۔ تم وہ بہترین اُمت ہو جسے نوری انسان کے لئے پیدا

کیا گیا ہے۔ غور کیجئے! جن طرح کعبہ کا مقصد نوع انسان کی فلاح و بہبود تھا اُسی طرح اس اُمت کی بعثت کا مقصد بھی پوری کی پوری انسانیت (الناس) کی خیر طلبی تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس اُمت نے ایک نظام قائم کیا۔ اس نظام کی نوع اس اُمت کا فریضہ یہ قرار دیا گیا کہ

وَكُنْ أُمَّةً يَتَّبِعُكَ أُمَّةٌ قَدْ سَطَّائَتْ كَوْنُوا شُهَدَاءَ أُمَّةٍ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط..... (۲۱۵)

اس طرح ہم نے تمہیں ایک ایسی اُمت بنایا جو تمام نوع انسان سے یکساں فاصلے پر رہے۔ نہ کسی کی طرف پورے نہیں جھکی ہوئی، نہ کسی سے پورے نہیں کھینچی ہوئی۔ فریضہ تمہارا یہ ہے کہ تم نوع انسانی پر نگاہ رکھو کہ اس کا قدم غلط سمت کی طرف نہ اٹھنے پائے۔ اور تم یہ تمہارے نظام کی مرکزی انتہائی (رسول) نگاہ رکھو کہ تم غلط راستہ اختیار نہ کرو۔

یہاں پھر شہد آئے عَلَى النَّاسِ کہا گیا ہے۔ یعنی تمام نوع انسان پر نگران۔ ان خصوصیات کی حامل اُمت کو "ملتِ ابراہیمی" (۲۱۶) کی پیر و کار کہہ کر پکارا گیا، یعنی حضرت ابراہیمؑ کی روش پر چلنے والی اُمت۔

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق کہا گیا تھا: اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَابِلًا (۲۱۷) "نوع انسان کی امامت LEADERSHIP تمہارے حق میں آئے گی۔ اور اسی بنا پر اس اُمت سے کہا: قَدْ اُخْتِذْنَا مِنْ مَّخْلَمٍ اِنَّا هَیْمٌ مُّحْسِنٌ ط..... (۲۱۸) "تم منصب و مقامِ ابراہیمی کے حصول کو اپنی تنگ و تنار کی جلاں نگاہ بناؤ۔" یعنی جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو نوع انسان کی امامت کا سزاوار قرار دیا گیا تھا اسی طرح تم بھی اس نظام کے قیام سے، جس کا مرکز کعبہ ہے، عالم گیر انسانیت کی لیڈر شپ حاصل کرو۔

اس اُمت نے جو نظام قائم کیا تھا، اس کی بنیاد باہمی مشاورت پر تھی۔ (۲۱۹)۔ اس مشاورت کی روزہ مرہ کی شکل تو صلوة کے اجتماعات تھے۔ آپ غور کیجئے کہ مشاورت کا حکم اور امامت صلوة کا حکم ایک ہی سانس میں دیا گیا ہے۔ (۲۲۰) نہیں پوری ملکیت کے مسائل کے لئے مشاورت کے اجتماعات اس سے کہیں زیادہ وسیع (بلکہ عالم گیر) پیمانے پر ہونے ضروری تھے۔ اُمت کے اس عالم گیر اجتماع کو حج کہہ کر پکارا گیا۔ اس کے علاوہ نسبتاً چھوٹے پیمانے پر جو اجتماعات منعقد کئے جاتے ضروری تھے انہیں عمرہ کہا گیا۔ اس اجتماع عظیم

کا آغاز بھی حضرت ابراہیمؑ نے کیا تھا جب انہیں حکم دیا گیا تھا کہ قَدْ اَدِّنَّا فِی النَّاسِ بِالنَّجْوٰی (۲۲۱) "تم اعلان کر دو، تمام انسانوں کو دعوت دو کہ وہ حج کے اجتماع میں شرکت کے لئے آئیں۔" اس اُسوۂ ابراہیمی کے اتباع میں اس اُمت پر بھی یہ فریضہ عائد ہو گیا کہ وہ ان اجتماعات کے انعقاد کا اہتمام کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ اجتماعات اصلاً تو اُمت کی باہمی مشاورت کے لئے ہوں گے، لیکن ان میں شرکت کے لئے تمام انسانوں (الناس) کو دعوت دی گئی ہے۔ یہ کمبخت مبصر شریک ہوں گے۔ اس سے مقصد کیا ہے، اس کے متعلق ہم آگے چل کر وضاحت کریں گے۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہو گا کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ سے کہا گیا تھا

کہ آجوت فی الناس بالحق..... ﴿۲۲﴾ حج کے لئے تمام لوگوں کو دعوت دو۔ اسی طرح امت مسلمہ کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے حج کے متعلق بھی کہا کہ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مِنْ اسْتِطَاعَ اَتَيْهِ سَبِيْلًا..... ﴿۲۳﴾ جو لوگ بھی (الناس) وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، انہیں چاہیے کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے جنہیں خدا نے مقرر کیا ہے (اللہ) حج کے اجتماع میں شرکت کریں۔ آپ غور کیجئے کہ یہاں بھی الناس کہا ہے، اسے مؤمنین (مسلمانوں) تک محدود نہیں رکھا گیا۔

عربوں کے ہاں حج کا اجتماع زمانہ قبل از اسلام میں بھی ہوتا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب حضرت ابراہیمؑ تعمیرِ کعبہ سے فارغ ہوئے ہیں تو ان سے کہا گیا تھا کہ حج کے اجتماع کا اہتمام کریں اور لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دیں۔ لیکن جس طرح، جب دینِ مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے تو اس کے بلند بالا پروگرام کے عملی اجزاء، بے معنی رسومات بن کر رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح عربوں میں حج کے اجتماع نے بھی (کم و بیش) ایک میلہ کی شکل اختیار کر رکھی تھی، اور حج ابراہیمی کے مناسک اور شعائر، مشرک اور فاسقانہ (بلکہ جاہلانہ) رسوم بن کر رہ گئے تھے۔ بایں سبب اسے اہمیت بڑی حاصل تھی۔ اس اعتبار سے، تمام عربوں کی عمرانی زندگی کا مرکز تھا، اور قریش کو اس کی تولیت کی وجہ سے خاص امتیازی پوزیشن حاصل تھی۔ مادہ کے اعتبار سے اس لفظ (حج) کے معنی قصد و ارادہ کے بھی ہیں اور روک دینے کے بھی۔ زمانہ قبل از اسلام میں حج کے اجتماع میں، علاوہ دیگر امور، قبائل کے باہمی جھگڑے بٹائے جاتے تھے اور نیادتی کرنے والوں کو ان کی دراز و ستیوں سے روکا جاتا تھا۔ لیکن یہ دو گنا لغو ارکے ذریعے نہیں ہوتا تھا، دلائل و براہین کی روش سے ہوتا تھا۔ یہیں سے لفظ حجت ہے جس کے معنی دلیل کے ہیں۔ اس حجت سے قرآنی دلائل کو الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ..... ﴿۲۴﴾ کہا گیا ہے۔ اہل لفظ کے ان بنیادی معانی اور تصورات سے اس اجتماع کا مقصد سامنے آ جاتا ہے۔ یعنی دلائل و براہین پر مبنی مشاورت سے مملکت کے معاملات کا حل تلاش کرنا، اور غلط کاروں کو ان کے اقدامات سے روکنے کی تدابیر سوچنا۔

قرآن کریم نے عربوں کے اس اجتماع کو نہ صرف باقی رکھا، بلکہ اسے دین کے نظام میں ایک بنیادی ستون قرار دیا۔ فتح مکہ سے پہلے (۳ھ تک) کعبہ (کفار) قریش کی تحویل میں تھا اس لئے وہاں قرآنی انداز کے اجتماع (حج) کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد، مشہد کا حج تو کم و بیش سال بھر روض پر ادا ہوا۔ لیکن مشہد میں اسے قرآنی شکل دے دی گئی۔ اس میں حضرت خود تو تشریف نہیں لے گئے، لیکن حضرت ابو بکرؓ صدیق کو نمائندہ مملکت قرآن

حج اسلام

طے ایسا نظر آتا ہے کہ یہ مکان حضرت ابراہیمؑ سے بھی پہلے (کسی زمانے میں) تعمیر ہوا تھا لیکن بعد میں یہ، مرور زمانہ سے کھنڈر بن گیا اور اس کی صرف بنیادوں کے نشانات باقی رہ گئے تھے جس پر حضرت ابراہیمؑ نے دیواریں کھڑی کی تھیں۔ (۲۳)۔

کی حیثیت سے، قاعدہ حجاج کا سربراہ بنا کر بھیجا۔ اس اجتماع میں کم و بیش تمام سابقہ رسوم و مناسک کو برقرار رکھا، لیکن انہیں مشرکانہ اور جاہلانہ آمیزشوں سے پاک اور صاف کر کے اس سے پہلے حج کی سب سے بڑی خصوصیت وہ اعلانِ عظیم تھا جو بدینہ کی اسلامی مملکت کی طرف سے غیر مسلموں (بافضو قریش) کے ساتھ تعلقات کا مندرجہ تھا اور جو سورہ توبہ مذکور ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ یہ اجتماع خود ذاتِ رسالت کے زیرِ لوا منعقد ہوا اور اس میں حضورؐ نے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جو عالمگیر انسانیت کے لئے صحیحہ آزادی قرار پاتا ہے۔ اس کا نقطہ داس کہ یہ تھا کہ انسانوں کے خود ساختہ رنگ و نسل و خون و زبان و وطن۔ قومیت۔ ذاتِ بات۔ برادری۔ قبائل، ہر قسم کے امتیازات کو مٹا کر، خالص ایمان کی بنیادوں پر، انسانوں کی عالمگیر برادری کی تشکیل۔ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں بھی یہ اجتماع، انہی مقاصدِ عالیہ کے حصول کا ذریعہ تھا جنہیں قرآن نے متعین فرمایا تھا۔ اس میں وسیع و عریض مملکتِ اسلامیہ کے نمائندگان مشرک ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ ان لوگوں کو بھی خصوصی دعوت دی جاتی تھی۔ جنہیں ارکانِ اعمالِ حکومت کے خلاف کسی قسم کی شکایت ہوتی۔ چونکہ یہ اجتماع مملکت کے دور دراز علاقوں سے آنے والوں پر مشتمل ہوتا تھا، اس لئے میدانِ عرفات میں ان کا باہمی تعارف ہوتا تھا۔ اسی جہت سے اسے عرفات کہتے تھے۔ (یعنی باہمی تعارف کی تقریب) سربراہ مملکت یا اس کا نمائندہ، اپنے خطاب میں اس پروگرام کا اعلان کرتا جو آئندہ سال کے لئے تجویز ہوتا تھا۔ اس کے بعد، یہ نمائندگان مملکت، ہفتے کے میدانِ جمعہ ہوتے۔ وہاں ادرتین دن تک قیام کر کے اس پروگرام کی تفصیلات پر غور و خوض کرتے۔ پھر مملکت کی پیچیدہ گھنٹیوں کو سلجھایا جاتا۔ مستغنیین کی شکایات کا ازالہ کیا جاتا۔ اور یہ سب کچھ دلائل و حجج کی روش سے کیا جاتا، دھاندلی اور سسینہ زوری سے نہیں۔ ان فیصلوں اور تجویزوں کو ساتھ لے کر، یہ نمائندگان، اپنے اپنے مقامات کی طرف واپس جاتے۔

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ مکہ اس وادی میں واقع ہے جہاں کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ (۱۳) اس علاقہ میں اگر لاکھوں انسانوں کا اجتماع ہوتا تو سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہو گا کہ ان کے کھانے پینے کا کیا انتظام ہو گا؟ قرآن کریم اس قسم کے اہم سوال کو نظر انداز نہیں کرتا۔ اس نے کہا کہ اس اجتماع میں شرکت کرنے والے اپنی "خود پاک" اپنے ساتھ آئیں۔ (۱۴) ظاہر ہے کہ گوشت سے بہتر خورداک کو کسی بہتر مکتی تھی؟ اس نے کہا کہ یہ آئے والے کچھ خالص گوشت اپنے ساتھ لائیں۔ آتے وقت ان پر بے شک سمانی تجارت وغیرہ لادیں، اور یہاں پہنچ کر انہیں ذبح کریں۔ ان کا گوشت خود بھی کھا لیں، اور مکہ کے آبی مزاج کو بھی کھلائیں جنہیں عام حالات میں گوشت نصیب نہیں ہوتا۔ سورہ حج کی آیات (۲۲) (۲۳) (۲۴) میں یہ تمام تفصیل درج ہے۔ ان کے لئے قربانی کا لفظ سارے قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ نہ ہی الہا جانوروں کے متعلق جنہیں بقرعید پر قربانی کہہ کر ذبح کیا جاتا ہے۔

لیکن اس کے لئے ایک شرط ضروری ہے، اور وہ یہ کہ اس میں کوئی شخص کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا جو ان مقاصد کے خلاف جائے جنہیں خدا نے مقرر کیا ہے۔ ایسا کرنے کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۲۲/۳۵)۔ اسی بنا پر مشرکین مکہ کو اس میں شرکت سے روک دیا گیا تھا۔ (۹/۹۸)۔

بہر حال مقصد اس اجتماع سے یہ تھا کہ نوع انساں کو بتایا اور دکھایا جائے کہ قرآنی نظام ان کی منفعت اور مہبود کے لئے کیا کچھ کر رہا ہے۔

(۱۰)

ہمارا حج

یہ تھا اجتماع حج کا مقصد۔ اُس زمانے میں دین اپنی اصل شکل میں موجود تھا، لیکن جب وہ مذہب میں تبدیل ہو گیا تو اس کے مقاصد نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ مذہب کرتا یہ ہے کہ دین کی روح (مقصد اور غایت) کو فنا کر دیتا ہے لیکن اس کے شعار اور مناسک کو عملی حالہ برقرار رکھتا ہے، اور ان کی رسمی پابندی پر بڑا زور دیتا ہے۔ اس سے قوم اس خوش فہمی میں مبتلا رہتی ہے کہ احکام خداوندی کا اتباع ہو رہا ہے۔ اس سے انہیں ایک عقیدہ مندانہ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے جو اُن کے اپنے ہی دل کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ اسی بنا پر عوام ان رسوم و مناسک کی انتہائی جذب و عقیدت سے پابندی کئے جاتے ہیں، یہ دیکھتے بغیر کہ ان کا کوئی نتیجہ بھی برآمد ہو رہا ہے یا نہیں اسی میں مذہب کی کامیابی کا راز پنہاں ہے۔ لوگ اگر سوچنے لگ جائیں تو مذہب کے مفاد و مقاصد ختم ہو جاتے ہیں۔

ان تصریحات کی روشنی میں آپ موجودہ حج پر نگاہ ڈالیں اور سوچیں کہ کیا اس سے وہ مقاصد حاصل ہوتے ہیں جن کے لئے اس کا انعقاد ضروری قرار دیا گیا تھا۔ بات یہاں سے چلی گئی کہ وحی کی غایت اور انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ رنگ، نسل، زبان، خون، وطن اور قومیت کے اختلافات کو مٹا کر (جن کی وجہ سے نوع انسان ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے) اُسے پھر سے ایک عالم گیر برادری کے قاب میں ڈھال دیا جائے۔ اس کے لئے ایک نظام تجویز ہوا تھا جس کا مرکز کعبہ تھا، اور جس کے اجتماع کا نام حج تھا۔ حج کا اجتماع اب بھی ہوتا ہے، اور پہلے سے کہیں زیادہ جوش و خروش کے ساتھ وسیع تر پیمانے پر۔ ایک ایک اجتماع میں پندرہ پندرہ، بیس بیس لاکھ حاجی شریک ہوتے ہیں۔ چالیس ہجری ہجری اس نژاد کا انبؤ عظیم تو صرف پاکستان سے اس میں شرکت کے لئے جاتا ہے۔ حکومت کا ایک پورا محکمہ اس کے انتظامات کے لئے وقف ہے۔ وہ سال بھر اسی میں مصروف رہتا ہے۔ ان چالیس، پچاس ہزار حاجیوں کے لئے (منسکت کا انتہائی مشکلوں سے حاصل کردہ) ذریعہ مبادلہ جس قدر صرف ہوتا ہے، وہ ظاہر ہے۔ یہ حاجی، شدت کی گرمی اور دیگر ناسازگار حالات میں سفر کی صعوبات برداشت کرتے ہیں ان میں مہینوں لگ جاتے ہیں جن میں وہ کوئی اور کام ہی نہیں کر پاتے۔

وقت، توانائی، روپیہ کے اس صرف اور اس قدر جانکاه مشقتوں کا حاصل کیا ہوتا ہے؟ ان افراد کا جذباتی اطمینان کہ ہم نے ایک فریضہ ادا کر لیا ہے۔ محض افراد کا جذباتی اطمینان تو کوئی ایسی خصوصیت

نہیں جس کی بنیاد اسلام کو ایک منفرد نظام حیات قرار دیا جاسکے! اس قسم کا اطمینان تو تمام اہل مذاہب اپنے اپنے طور پر حاصل کر سکتے اور کر لیتے ہیں!

علاوہ ازیں دنیا کے تمام مسلمان اسی طرح مختلف قوموں اور وطنوں میں منقسم ہیں جس طرح غیر مسلم۔ ان ممالک اور اقوام کے افراد حج کے اجتماع میں بھی اپنے اپنے وطنی اور قومی تشخص کو برقرار رکھتے ہیں۔ مذہبی تفریق اس پر مستزاد ہے۔ اس کی شدت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ چند سال ادھر کی بات ہے کہ پاکستان کے ایک بہت بڑے مذہبی رہنما نے بڑے فخر سے کہا تھا کہ ہم تو حرم کعبہ میں بھی، امام کعبہ کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اپنی جماعت الگ کرتے ہیں۔

یہ ہے کیفیت یہاں اس اجتماع کی جس کا مقصد وطنوں اور قومیتوں کے امتیازات کو مٹا کر تمام نوع انسان کو ایک مرکز پر جمع کرنا تھا۔ وہی جب اپنی اصلی شکل میں موجود تھا تو مسلمانوں کا رچ تو ایک طرف، غاروں تک میں جماع، مخالفین کے دلوں میں دھڑکن پیدا کر دیا کرتا تھا اس کیفیت یہ ہے کہ مسلمانوں کے قریب ایک ارب آبادی کے بحرِ خفا میں اسرائیل ملک کی حیثیت خاص و خاشاک سے زیادہ نہیں۔ گزشتہ پچیس تیس سال سے لاکھوں کا یہ اجتماع عرفا کے میدان میں دور کو خدا سے فریاد کرتا چلا آ رہا ہے کہ غاصب اور منضوب علیہ اسرائیل کا طبرِ اخرق ہو، اور اسرائیل ہے کہ مستحکم سے مستحکم ہو رہا چلا جا رہا ہے۔ یہ ہے مذہب کے حج کا نتیجہ۔ الدین کا حج ہوتا تو اس کے صرف اعلانِ پرو دنیا کی ٹہری سے بڑی غلط کوشش قوم کی پالنے لگ جاتی، اب یہ امت غیر مسلموں کی چھوٹی سی چھوٹی قوموں سے ڈرتی اور کانپتی ہے۔ حج کے عظیم اجتماع میں خالی دعائیں مانگ کر چلی آتی ہے اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو جھوٹا اطمینان دے لیتی ہے کہ یہودی منضوب علیہ قوم ہیں اس لئے یہ تباہ ہو کر رہیں گے۔ مگر وہ انسان اپنے مخالف کو گالیاں دے کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیا کرتے ہیں۔

امت کی یہ حالت ہے کہ اس کے مذہبی پیشوا اس پر مسلسل زور دیتے جاتے ہیں کہ غار، روزہ، حج، زکوٰۃ اور کمان اسلام کی رسمی طور پر پابندی کرتے رہیں اور ان کی غرض و غایت اور مقصد و مطلوب کے متعلق کچھ نہ سوچیں۔ اسی میں ہماری مختلف ملکیتیں بھی اپنا اپنا مفاد مضمر دیکھتی ہیں اور مذہبی پیشوا اسیت کے فروغ کا سامان بہم پہنچا کر انہیں تاکیہ کرتی ہیں کہ وہ مست رکھو ذکر و تکریم گاہی میں اسے پختہ تر کر دو مزاج خالقا ہی میں اسے اسی کے پیش نظر، ابلیس نے اپنے مشیروں سے کہا تھا:۔

یہ ہماری سعی و پیہم کی کرامت ہے کہ آج
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
صوفی و ملاک ملکیت کے بندے ہیں تمام
کنہ ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام!

(ابلیس کی مجلسِ شوریٰ - ارمغانِ حجاز)

ابلیس کا یہ سحر اس وقت ٹوٹے گا جب یہ قوم کتاب اللہ کو اپنی زندگی کا ضابطہ بنالیں۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو خدا کا یہ انتباہ کار فرما ہو کہ رہے گا کہ **وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبْرِحْ قَوْمًا مَّكَرُكُمْ لَا يَمْلِكُونَ أَنْ يَمْلِكُوا كُفْرًا** (۲۴)۔

اگر یہ (قرآن سے اسی طرح) روگردان رہے تو ان کی جگہ کوئی دوسری قوم لے لگی، اور وہ ان جیسی نہیں ہوگی۔

خدا کے وعدہ کی طرح اس کی وعیدیں بھی امل نبوتی ہیں! لیکن اس استبدالِ قومی میں تباہی آتی ہے، وہ بڑی قیامت خیز ہوتی ہے۔ والسلام

بدیع